آہ میرے شیخ الحدیث صاحبؒ
(شیخ عبدالرحیم صاحب راجستھانیؒ)

اس مختصر مضمون میں ایک نہایت مخلص، صاحب الرائے، دوربیں،
عاقبت اندیش، متواضع، اپنی طبیعت اور مزاج سے مستورالحال،
سادگی پسند، کفایت شعار، زاہدو مستغنی شخصیت کی مختصر سوانح ہے۔

مؤلف

اسماعیل بن محمد لاجپوری

(خادمِ مدرسہ دعوۃ الایمان، مانکپور رنکولی)

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	کچھ یادیں کچھ باتیں	۶
۲	حضرت اقدس مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ کا ایک ملفوظ	۸
۳	نماز کا اہتمام اور خشوع وخضوع	۹
۴	مسجد کی خبر گیری	۱۳
۵	تلاوتِ قرآن	۱۴
۶	انبیاء کی سنن پر عمل	۱۴
۷	اعتکاف	۱۶
۸	بیمار کی عیادت	۱۷
۹	سلام کا رواج دینا	۱۸
۱۰	کم عمروں سے مشورہ	۲۰
۱۱	چھوٹے بچوں سے محبت والفت	۲۰
۱۲	حسب مراتب معاملہ	۲۱
۱۳	طلبہ کی فکر اور راقم کی زمانۂ تدریس میں رہنمائی	۲۲
۱۴	تواضع وانکساری	۲۴
۱۵	بزرگوں کا ادب	۲۸
۱۶	چیزوں کی قدردانی	۲۹
۱۷	کتابوں کا مطالعہ	۳۰
۱۸	حوصلہ افزائی اور انعام	۳۲
۱۹	درس	۳۴
۲۰	باغیچہ سے محبت	۳۶
۲۱	مؤمن کا انتقال پر زمین وآسمان کا اشکبار ہونا	۳۶
۲۲	دعائیہ کلمات	۳۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واحسرتا ۲۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ، مطابق: ۲۱ / جنوری ۲۰۱۷ء بروز سنیچر تقریباً پانچ بج کر دس منٹ پر بندہ عصر کی نماز کے لیے نکل رہا تھا کہ رفیقِ محترم مفتی طفیل صاحب دامت برکاتہم نے بتایا کہ استاذ الاساتذہ گلستاں حضرت فخر الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ کا گلشن آرا یعنی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب راجستھانی نے وطنِ عزیز میں تقریباً ۷۶ سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون.

یہ خبر بندے کے قلب پر بجلی کی طرح گری، بے اختیار آنکھیں اشکبار ہوگئیں، کیا ہوگیا! ابھی تو چند دن پہلے حضرتؒ سے بذریعۂ فون گفتگو ہوئی اور حضرت نے دعا سے نوازا تھا، آہ! ہمارے سروں سے ایک عظیم سایہ اٹھ گیا، ایک نعمتِ عظمیٰ ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی اور میں قدر نہ کرسکا۔

خود بہ خود دل ہے کہ افسردہ ہوا جاتا ہے		
		کیا بتاؤں تمہیں کیا مجھ پہ پڑی ہے افتاد
آہ کچھ ایسا میرے دل کو اجاڑا تم نے		
		جیسے دلّی کو زمانے نے کیا تھا برباد
اشک آنکھوں میں نہیں، طاقتِ فریاد نہیں		
		کون اب ان کو سنائے گا ہماری روداد
میری غیرت پہ کوئی حرف نہ آئے یا رب!		
		ہے اُدھر تاک میں بجلی تو اِدھر ہے صیاد
صورت موج صبا تو نے کیا رم ہم سے		
		تیری منزل نہ تھی یہ کارگہ کون وفساد

یہ دنیا فانی ہے، جو آیا ہے اسے جلد یا بدیر جانا ہی پڑتا ہے، شاعر کہتا ہے:

الموت كأس كل ناس شاربه		القبر باب كل ناس داخلها
موت ایسا پیالہ ہے کہ ہر انسان اس کا پینے والا ہے		قبر ایسا دروازہ ہے کہ ہر انسان اس میں داخل ہوکر رہے گا

اس لیے حضرت الاستاذ بھی اپنے مولیٰ کو پیارے ہوگئے؛ لیکن بعض افراد کی موت طبعی ہونے کے باوجود اس قدر اندوہناک ہوتی ہے کہ اس کا اثر مرنے والے کی چہار دیواری سے نکل کر محلہ، حلقہ، شہر اور پوری اسلامی دنیا پر پڑتا ہے۔ حضرت مرحوم کی (آہ کہ ان کو مرحوم لکھتے ہوئے قلم لرزتا ہے) بھی اسی قسم کی موت ہے۔

حضرت کی موت علم کی موت ہے، شرافت کی موت ہے، دیانت کی موت ہے، جرأت و بے باکی، تواضع و سنجیدگی کی موت ہے، اخلاص و رواداری، محبت و درگذر کی موت ہے، یہی وجہ ہے کہ موت کی خبر سنتے ہی پورا مدرسہ ماتم کدہ بن گیا، غم واندوہ کی گھٹا چھا گئی۔

ہر ایک کے دل کی ایک تمنا تھی کہ کسی بھی طرح حضرت کے جنازہ میں شرکت کا موقع ملے، بندہ بھی اپنے رفقاء کے ہمراہ چل پڑا، ساڑھے آٹھ بجے ٹرین آئی، ٹکٹ لے کر جنرل ڈبے میں سوار ہوئے، فوراً کسی رفیقِ محترم نے حافظ ساجد صاحب (جو حضرتؒ کی اکثر خدمت کیا کرتے تھے) کے حوالہ سے سنایا کہ ''تجربہ ہے کہ جب بھی حضرتؒ کے کسی کام کے سلسلہ میں جانا ہوا ہے مددِ خداوندی سے وہ کام مکمل ہوجاتا ہے''۔ الحمدللہ ہم بھی بغیر کسی مشقت وتھکان کے بہ آسانی حضرت کے مدرسہ تک پہنچ گئے، اولاً حضرت کا وہ کمرہ! جس میں حضرت آرام فرماتے تھے گئے اور اسی میں آپ کا جنازہ رکھا گیا تھا، اللہ اللہ، کیا سادہ کمرہ، مدرسہ کے مہتمم، مدرسہ کے شیخ الحدیث، استاذ الاساتذہ کا یہ کمرہ! اس کے بعد چہرۂ مبارکہ کی زیارت وتقبیل [1] کی سعادت حاصل ہوئی، خوبصورت ہشاش بشاش چہرہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ حضرت آرام کی نیند سوئے ہوئے ہے۔

فارسی کا ایک شعر یاد آ گیا:

یاد داری کہ وقت زادن تو	۞	ہمہ خنداں بودند تو گریاں
آں چناں زی کہ وقت رفتن تو	۞	ہمہ گریاں بودند تو خنداں

زیارت کرنے والوں کا تسلسل جاری تھا اور یہ آواز لگائی جارہی تھی کہ کوئی جنازہ کے پاس نہ ٹھہرے، جگہ کی تنگی کے سبب جنازہ کو میدان میں لایا گیا۔

ہجوم بڑھتا ہی جارہا تھا، تقریباً ساڑھے نو بجے جنازہ اٹھایا گیا، آسانی کے لیے جنازہ پر لمبے لمبے بانس بلیاں باندھ دی گئی تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو کاندھا دینے کا موقع ملے، مجمع اس قدر کثیر تھا کہ کوئی ایسی جگہ خالی نہ تھی جہاں پر لوگوں کا ازدحام نہ ہو۔

راجستھان شاہوں کی نگری ہے اس نے سینکڑوں جنازے دیکھے ہوں گے؛ مگر جو ماتمی شان، امتیازی شان، علمی عظمت، حضرت کے جنازہ کی تھی وہ شاید ہی کسی خوش نصیب کے حصہ میں آئی ہو، تقریباً آٹھ ہزار افراد جن میں عوام وخواص سب شریک تھے، اللہ کے بندے کاندھوں پر جنازہ لادے ہوئے تھے، اور آگے پیچھے دائیں بائیں جاں نثار ٹوٹے جارہے تھے اور ہر شخص جنازہ کے قریب پہنچنے اور کاندھا دینے کے لیے مرمٹ رہا تھا، بالآخر جنازہ مسجد کے پیچھے ایک وسیع میدان میں لایا گیا، پیچھے مڑ کر دیکھا تو انسانی سروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا، نماز حضرت کے صاحبزادہ وجانشین حضرت مولانا نعمان صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی۔

اب وقت آیا کہ جنازہ کو کندھوں پر رکھ کر قبر کے قریب لے جایا جائے، اللہ کے بندے پھر آگے لے کر بڑھے، اللہ اللہ کر کے تھوڑی دیر کا سفر ایک لمبے وقفے میں طے ہوسکا، قبر کے قریب جانے کی ہمت کمزور کو کہاں نصیب ہوسکتی تھی، ایک مرتبہ آگے بڑھا؛ لیکن پیچھے ہوگیا، آخر کار حضرت کے جسدِ مبارک کو حضرت کے صاحبزادگان نے نمی آنکھوں سے سپردِ خاک کیا۔

---

(۱) ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعونؓ کے چہرے کا بوسہ لیا جب وہ فوت ہوچکے تھے، اور اس وقت آپ ﷺ روئے، یہاں تک کہ نبی علیہ السلام کے آنسو حضرت عثمانؓ کے چہرے پر پھیل گئے۔ (ترمذی)

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے نبی علیہ السلام کا چہرۂ مبارک کھول کر دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی کا بوسہ لیا جب کہ آپ ﷺ کا وصال ہوچکا تھا۔ (مشکوۃ)

چھپ گیا ماہِ علم زیرِ زمین	۞	گل ہوا آہ آہ چراغِ دین
آسمان اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے	۞	سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو	۞	گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

کچھ یادیں کچھ باتیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو جن اوصاف وکمالات سے آراستہ کیا تھا ان کا ادراک مجھ جیسے کوتاہ نظر کے لیے بہت مشکل ہے، تاہم اس عاجز نے اپنے زمانۂ تعلیم وتعلم میں چند ایسے اوصاف نمایاں دیکھے تھے کہ کوتاہ سے کوتاہ نظر انسان بھی ان کا ادراک کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جب حضرت کا انتقال ہوگیا تو پچھلے پندرہ سالوں کی کئی پرانی باتیں ذہن میں گھومنے لگیں اور کئی دن تک حضرت کی یاد یادیں ستاتی رہیں، حضرت کے اوصاف واخلاق، شفقتیں، محبت، عفو ودرگذر، تواضع وغیرہ کئی چیزیں یاد کرتا رہا اور دل ہی دل میں افسوس کرتا رہا کہ کاش! میں حضرت کی خدمت کر کے کچھ تو حاصل کر لیتا، میں نے ایک مرتبہ اپنے ایک رفیق (مفتی طفیل صاحب) سے ذکر کیا کہ مجھے حضرت کی اتنی یاد آرہی ہے کہ شاید اتنی کسی اور کی یاد اس سے قبل نہیں آئی ہوگی، الحمدللہ ہر نماز کے بعد اکثر حضرت کے لیے ایصالِ ثواب کرتا ہوں۔

رفیقِ محترم نے دلاسا دیا اور فرمایا کہ: ضرور آپ حضرت کے سلسلے میں کچھ لکھو، بندے نے اولاً ایک مضمون لکھنے کا ارادہ کیا تھا؛ لیکن لکھتے ہی لکھتے وہ رسالہ کی شکل میں تیار ہوگیا جو آپ کے سامنے ہے۔

بندے نے اس مختصر رسالہ میں پندرہ سال کی مدت میں جو اوصاف دیکھے اور سمجھے انہیں کو ''ما لایدرك كله لایترك بعضه'' کے تحت ھدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

ورنہ سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

احقر نے چند احادیث اور اقوالِ سلف کو بھی تحریر کر دیا ہے جس سے قارئین اندازہ لگا سکیں گے کہ حضرت کی زندگی اتباعِ سنت سے کس قدر آراستہ تھی اور آپ اسلاف کے نقشِ قدم پر کیسے گامزن تھے۔

قارئینِ کرام سے گذارش ہے کہ احقر کی تحریر میں کوئی چیز قابلِ اصلاح معلوم ہو تو ''الدین النصیحة'' کے تحت ضرور مطلع فرمائیں، پس میں یہی دعا کرتا ہوں:

اے میرے رب! تو قطرے سے وہ کام لے سکتا ہے جس سے دریا عاجز ہو، ذرے کو وہ وسعت بخش سکتا ہے جس سے صحرا محروم ہو، ایک پھول کو لہلہاتے گلستاں کی مہک عطا کر سکتا ہے اور ایک ہی موج کے مچلنے سے سمندر کے سناٹوں کو طوفان میں بدل سکتا ہے، کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گُل، یہ تو تیری ہی مہربانی ہے کہ تو نے مجھے توفیق دی یہ لکھنے کی، اس کے لیے مواد جمع کرنے کی اور ان تاریخی شخصیات کے واقعات ترتیب دینے کی جنہوں نے زندگی کی قدر کی اور اس قدر زندگی نے انہیں زندگی بخشی، قلم کے مسافر نے جہاں جہاں لغزشیں کی ہیں تو درگزر فرما، ان واقعات کے لکھنے اور پڑھنے والے کو وقت کی قدر عطا کر، علم کا جذبۂ تاباں دے اور محنت کے عزم جوان سے ان کے دل سرشار کر، چار دن کی اس زندگی میں ہم سے وہ کام لے جو یہاں کرنا چاہیے، اس سے بچا جو یہاں نہیں کرنا چاہیے، زندگی وہ جو ہم نے ضائع کر دی اس کی تلافی کا سامان پیدا فرما، وہ جو باقی ہے بچا بچا کے ہم سے استعمال کرا، یہی دل کی صدا ہے تو دل کی صداؤں کو سنتا اور قبول

کرتا ہے۔ میرے رب! اس صدائے دل کو بھی قبول فرما، آمین۔ (متاعِ وقت اور کاروانِ علم: ۱۴)

حضرت اقدس مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ کا ایک ملفوظ

فرمایا: بزرگوں کے بہت سے حالات ایسے ہوتے ہیں جن کو کوئی جانتا بھی نہیں، کتابوں میں جو لکھے جاتے ہیں وہ تو بہت تھوڑے ہوتے ہیں خصوصی حالات کی تو کسی کو ہوا بھی نہیں لگتی۔ اللہ والے اپنے کو بہت چھپاتے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کا جو بھی کام ہو سب اللہ کے واسطے ہو، نام ونمود، شہرت کا جذبہ ان میں بالکل نہیں ہوتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کسی بندہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو ہدایت کرنا مقصود ہوتا ہے تو گو وہ شخص پہاڑ کی کھو میں بیٹھ کر ہی کیوں نہ کوئی عمل کرے؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دیتا ہے یہ جو بزرگانِ دین کی سوانح عمریاں لکھی جاتی ہیں اور لوگوں کے سامنے ان کے حالات آتے ہیں تو کیوں؟ اسی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پاکیزہ زندگی کے ذریعے دوسروں کو ہدایت دینا چاہتا ہے۔ (حیاتِ صدیق: ۲۳)

سوانحِ عمری لکھنے کا فائدہ:

یہ ایک طبعی بات ہے کہ بزرگوں کے واقعات زندہ قوم کے مردہ جسم میں عمل کی حرارت پیدا کرتے ہیں، اور صحبتِ بد یا جہالت کی وجہ سے جو سستیاں اور کوتاہیاں لوگوں میں پیدا ہو جاتی ہیں، ان کا تدارک بزرگوں کی روش اور طریقہ معلوم کرکے ہو جاتا ہے، بزرگوں ہی کے تذکروں نے اکثر قوم کے سوئے ہوئے جذبات بیدار کیے ہیں، اور انہیں ذلّت ونکبت کے عین غاروں سے نکال کر بامِ عروج پر پہونچایا ہے، اسی لیے سینکڑوں قائدین و مصلحین کی سوانح عمریاں لکھی گئیں تاکہ موجودہ نسل اور آئندہ آنے والی نسل ان سے عبرت وموعظت کا سبق لے سکے۔ (حیاتِ صدیق: ۲۶)

نماز کا اہتمام اور خشوع وخضوع

بندے نے جب سے حضرت کو دیکھا تب سے لے کر آخری وقت تک بیمار ہو یا تندرست، ہر حالت میں نماز کے سلسلہ میں بڑا پابند پایا۔

پہلی صف میں امام کے بالکل سیدھ میں کھڑے رہتے تھے اگر کسی وقت معمولی سی تاخیر ہو جاتی تو طلبہ آپ کی جگہ رکھ کر آپ کا انتظار کرتے تھے [۲]۔

حضرت نوافل، بالخصوص اوابین وتہجد کا بڑا اہتمام فرماتے تھے [۳]۔

---

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ مسجد میں سب سے بہتر جگہ امام کے پیچھے ہے کہ رحمت جب نازل ہوتی ہے تو سب سے پہلے امام پر نازل ہوتی ہے اس کے بعد جو اس کے پیچھے، پھر دائیں جانب، پھر بائیں جانب، پھر پوری مسجد کو شامل اور گھیر لیتی ہے۔

فائدہ: اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ صفِ اول میں سب سے فضیلت والی جگہ بالکل امام کے پیچھے ہے، اس کے بعد صفِ اول کا دایاں جانب پھر بایاں جانب۔ خیال رہے کہ یہ جگہ اہلِ فضل وعلم اور صلاح وتقویٰ میں ممتاز لوگوں کی ہے، بہتر ہے کہ مصلیوں میں جو بہتر ونیک سمجھے جاتے ہوں وہ وہاں رہا کریں؛ تاکہ امام کو اگر کبھی عارضہ پیش آجائے تو اسے اپنی جگہ امام بنا سکیں۔ (شمائلِ کبریٰ)

(۳) صلحاء واولیاء کا معمول رہا ہے کہ وہ تہجد کا التزام اور اہتمام کرتے رہے ہیں، اسی کی برکت سے وہ ولایت کے بلند وبالا مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔ ولایت ومعرفت کا حصول تہجد کی نماز سے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اہل اللہ اور اصحابِ معرفت کی یہ محبوب نماز ہے، اس وقت وہ خدائے پاک اپنے مولیٰ عزوجل سے مناجات کرتے ہیں، اس کا قرب حاصل کرتے ہیں، اور اپنی پیاسِ معرفت کو اس نماز سے بجھاتے ہیں اور روحِ معرفت کو غذا اور تسکین دیتے ہیں۔ (شمائلِ کبریٰ: ۷/ ۴۹)

خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ بندے نے اپنے زمانۂ تدریس میں اس بات کا مشاہدہ کیا کہ جب کبھی امام سے تعدادِ رکعت کے سلسلہ میں غلطی ہوجاتی تھی تو حضرت فوراً لقمہ دیتے تھے (۴)۔

حضرت خود بھی نماز سنت کے موافق پڑھتے تھے اور طلباء کو بھی سنت کے موافق نماز پڑھنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ حضرت کے آگے کھڑے ہوکر امامت کرانا، اور حضرت کے بغل میں نماز پڑھنے کی ہم میں سے اکثر طلباء ہمت نہیں کرپاتے تھے؛ بلکہ بندے نے یہ بھی دیکھا کہ اگر کوئی طالبِ علم نماز میں کوتاہی وسستی کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، تو ہمارے استاذِ محترم اس طالبِ علم کو حضرت کے بغل میں نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے، تھوڑے ہی دنوں میں طالبِ علم کی نماز درست ہوجاتی تھی۔

اگر امام صاحب خلافِ سنت نماز پڑھاتے تو بڑی خفگی کا اظہار فرماتے تھے، خصوصاً تکبیرات انتقالیہ پر حضرت کی بڑی توجہ تھی، ایک مرتبہ ایک مسجد میں نماز پڑھی، پھر بندے سے فرمایا کہ: امام صاحب کو بتاؤ کہ رکوع سیدھا کرے ہاتھوں کو درست رکھا کرے۔ ایک مرتبہ بندہ کے خسرِ محترم مفتی رشید احمد صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کلولی تشریف لائے تو حضرت نے آج کل کے ائمہ پر افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ: جس طرح ''تدریب الافتاء'' کا شعبہ ہے، اسی طرح آپ ''تدریب الامامت'' کا شعبہ بھی قائم کرو، اس کی بھی بہت ضرورت ہے۔

ائمہ کے لیے ضروری ہدایت:

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی جماعت کی امامت کرے تو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے، اور یہ جان لینا چاہیے کہ وہ ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری کے بارے میں اس سے سوال ہوگا۔ اب اگر وہ اچھی طرح امامت کرے گا تو اسے اپنے پیچھے نماز پڑھنے والے نمازیوں کے بقدر ثواب ملے گا، جب کہ ان نمازیوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جو بھی امامت میں کوتاہی ہوگی اس کا وبال امام پر ہی ہوگا؛ اس لیے ائمۂ کرام کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اس ہدایت کو پیشِ نظر رکھیں۔ مسائلِ امامت سے واقفیت کے ساتھ ورع وتقویٰ، امانت ودیانت اور حسنِ اخلاق کا التزام کریں؛ کیوں کہ ائمہ اسلام کے شعائر کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی عزت میں امت کی عزت ہے اور ان کی رسوائی میں پوری قوم کی رسوائی ہے۔ (کتاب المسائل: ۱/ ۴۰۵)

ایک مرتبہ یومِ جمعہ کو فجر سے قبل حضرت نے ایک طالبِ علم کو بلا کر فرمایا کہ: جس کی نمازِ فجر پڑھانے کی ذمہ داری ہے اسے کہو کہ آج فجر کی نماز میں سورہ الم السجدہ اور سورۂ دہر پڑھے۔ حسنِ اتفاق بندے کی ہی ذمہ داری تھی، بندے نے عرض کیا: حضرت آج دونوں رکعت میں صرف ایک سورت (سورۂ الم سجدہ) پڑھنے کا ارادہ ہے؛ اس لیے کہ اس کی بھی گنجائش موجود ہے، حضرت نے بڑا پیارا جواب دیا: بھائی! اگر دونوں سورت پڑھی جائے تو کیا حرج ہوجائے گا اور اس میں کوئی زیادہ وقت بھی نہیں لگے گا۔

افسوس! آج سنت پر عمل متروک ہے، غفلت ونادانی کی وجہ سے یہ سنت چھوٹ گئی ہے، اولاً تو مساجد کے امام، حافظ یا قاری اس سنت سے واقف نہیں ہوتے، اگر ہوتے ہیں تو مقتدیوں کے اعتراض کے خوف سے اس سنت کو چھوڑ دیتے ہیں بھلا مسنون عمل کیا اعتراض، بھلا آپ کی اس پر کسی مؤمن کے لیے کرہت کی بات ہوسکتی ہے، ہرگز نہیں سنت پر تو عمل اور مضبوطی سے پکڑنے کا حکم ہے اس سے تو اور خوش ہونا چاہیے کہ نماز سنت کے مطابق ہورہی ہے جس سے ثواب زیادہ ہوگا۔ اہم مساجد دینی مراکز ومدارس میں اس سنت پر اہتمام سے عمل کرنا چاہیے،

---

(۴) حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ: میں تم سے یہ حدیث بیان کرتا ہوں سب سے پہلی چیز جو لوگوں سے اٹھائی جائے گی وہ خشوع ہوگا، عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تم دیکھوگے جب جامع مسجد میں داخل ہوں گے تو ایک آدمی بھی خشوع والا (خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والا نہیں پاؤگے)۔ (شمائلِ کبریٰ: ۶/ ۲۴۲)

مدارس کی مساجد میں اس کا خیال نہ رکھنا بڑی محرومی کی بات ہے، جب ان اہم مراکز میں عمل ہوگا تو دوسرے لوگ اس کی اقتدا کریں گے اور جانیں گے کہ ہاں سنت ہے، اور جب ان مدارس کی مساجد میں سنتوں پر عمل نہ ہوگا اوران مراکز سے سنت کی ترویج نہ ہوگی تو پھر کہاں سے ہوگی، مساجد میں ایسے امام کا انتخاب ہو جو حافظ، قاری و پابندِ سنت ہوتا کہ سنت کے مطابق نماز ہو۔ (شمائلِ کبریٰ: ۷/۲۱۰)

ایک مرتبہ ایک طالبِ علم حضرت کے بغل میں نماز پڑھ رہا تھا، دورانِ نماز سجدہ سے کھڑے ہوتے ہوئے اکڑو بیٹھ کر کھڑا ہوا، نماز سے فارغ ہوکر تمام حضرات کے سامنے اس طالبِ علم سے فرمایا: نماز اس طرح نہیں پڑھی جاتی ہے، سنت کے موافق نماز پڑھا کرو۔

کئی مرتبہ حضرت شیخ الحدیث پیچھے بیٹھ کر طالبِ علم کی پوری سنتیں گنتے تھے، بندے نے دو سال قبل دیکھا کہ ایک طالبِ علم کو بلا کر پوچھا: سچ بتا تو نے کتنی رکعتیں پڑھی ہے؟ طالبِ علم نے جھوٹ بولا، حضرت نے سخت تعزیر کی، پھر فرمایا: آپ نے مکمل سنتیں نہیں پڑھی ہیں، سنتیں مکمل پڑھا کرو اور نگران استاذ کو دھوکا نہ دیا کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نماز کے سلسلہ میں طلباء کی ادنیٰ غفلت کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے، اور سستی و کاہلی پر طلباء کو اہتمامِ صلوٰۃ کی تاکید کرتے تھے۔

حضرت کعب ؓ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ: آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی، سلام کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، آپ نے پوچھا: فلاں فلاں حاضر ہے؟ چناں چہ تین لوگوں کی حاضری لی، تینوں کو آپ نے (مسجد کے بجائے) گھر میں پایا۔ (کنز العمال: ۸/۲۵۹)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنے ماتحتوں میں جماعت کی سخت تاکید کی جائے گی بڑوں کو، اسلامی حکومت میں حکام و امراء کو، اربابِ انتظام کو مدارس میں اساتذۂ کرام کو، محلے کی امیر کو حلقۂ مریدین میں مرشد کو اس بات کا حکم اور اجازت ہے کہ جماعت میں لوگوں کا دھیان رکھیں، نہ آنے کی وجہ ان سے معلوم کریں، تغافل و تکاسل پر ان کو اہتمام کی تاکید کریں۔ (شمائلِ کبریٰ: ۶/۲۷۶)

طلباء ضرور پڑھیں:

حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جو طلباء آج کل (پڑھنے کے زمانے میں) مسبوق ہوتے ہیں، وہ فارغ ہونے کے بعد تارکِ صلوٰہ ہوں گے، صاف کہتا ہوں، کیوں کہ اسلاف نے فرمایا ہے کہ: ''مَنْ تَهَاوَنَ بِالنَّوَافِلِ تَهَاوَنَ بِالسُّنَنِ، وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالسُّنَنِ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ، وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ سُلِبَ الْمَعْرِفَةُ، وَمَنْ سُلِبَ الْمَعْرِفَةِ يَقَعُ فِي الْكُفْرِ''.

مثالی زندگی: ۱۱۸)

مسجد کی خبر گیری

حضرت مسجد کی بہت زیادہ خبر گیری کیا کرتے تھے (۵)۔

جب مسجد میں کوئی چیز پڑی ہوتو اسے اٹھالیتے، بہت سی مرتبہ مسجد کے تولیے خود اپنے ہاتھ سے درست کرتے تھے، گیلے تولیے سکھانا اور خشک تولیے رکھوانا گویا حضرت نے اپنے ذمہ لے لیا تھا، جس تولیہ سے طلباء، مہمان، اساتذہ اپنا منھ صاف کرتے تھے حضرت روزانہ وہ تولیے خشک کروانے کے لیے رکھواتے تھے، تاکہ بدبو نہ آئے۔

---

(۵) حضرت ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جب کسی شخص کو دیکھا کہ وہ مسجد کا بہت خیال رکھتا ہے تو اس کے حق میں ایمان کی گواہی دو، کیوں کہ ارشادِ خداوندی ہے: (اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ) یعنی مسجدوں کو تو بس وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

درخواست کر کے حضرت کو روکا۔

نکاح:

حضرت نے خود نکاح کیا، اپنی اولاد کا نکاح کرایا، حتیٰ کہ مدرسہ میں کوئی غیر شادی شدہ استاذ کا تقرر ہوتا تھا، تو حضرت جلد نکاح کرنے کی ترغیب دیتے تھے، اگر کسی کے نکاح کے سلسلے میں مدد یا تعاون کی ضرورت ہوتی تھی تو حضرت مدد بھی فرمادیتے تھے۔

چناں چہ رفیقِ محترم مولانا سرفراز صاحب دامت برکاتہم نے سنایا کہ: حضرت کو میرے نکاح کی بڑی فکر تھی، متعدد مرتبہ حضرت پوچھتے رہتے تھے، بھائی کیا ہوا! بھائی کیا ہوا! ایک مرتبہ حضرت تھکے ہوئے سفر سے آئے، ابھی بیگ کمرے میں بھی نہ رکھی تھی (نکاح کی بات چل ہی رہی تھی) حضرت نے ملتے ہی پوچھا! کیا جواب آیا؟ میں نے کہا: حضرت ابھی جانے کا ارادہ ہے، حضرت نے فرمایا: ''میں خود آؤں گا'' چناں چہ خود حضرت تشریف لائے، اور حضرت ہی کی موجودگی میں ہی بندہ کا رشتہ طے ہوگیا۔

اسی طرح میرے دوسرے رفیق مولوی ریاض دھاراگیری کے نکاح کے بارے میں بھی حضرت بڑے فکر مند رہا کرتے تھے؛ لیکن موصوف کے نکاح کے وقت حضرت عمرہ میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے اپنے صاحبزادے کے پاس قطر کچھ دن قیام فرمایا تھا جس کی وجہ سے حضرت نکاح میں شامل نہ ہو سکے تھے، اور مولانا کے ولیمہ کے وقت حضرت اپنی علالت کے سبب مدرسہ چھوڑ کر اپنے وطن منتقل ہوگئے تھے اور حاضر نہیں ہو سکے تھے۔

اعتکاف

حضرت مختلف امراض میں مبتلا ہونے کے باوجود اعتکاف کی سنت اور اپنی اصلاح کی خاطر راجستھان سے طویل سفر کر کے اپنے آخری شیخ ومرشد حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم کی خانقاہ میں ہر سال رمضان المبارک کے کچھ ایام گذارتے تھے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ حدیث کے پیچھے زندگی لگانے والا اصلاحِ باطن نیز سنتِ نبوی کے لیے کمزوری اور ضعف کے باوجود در در پھر رہا ہے؛ لیکن افسوس صد افسوس دن بہ دن یہ سنت ختم ہوتی جارہی ہے، بہت سی مساجد ایسی بھی ہیں جن میں اعتکاف کرنے والا کوئی نہیں ہوتا ہے؛ حالاں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تا وقتِ وفات اعتکاف کرتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات اعتکاف کرتی رہیں۔

مفتی ارشاد صاحب قاسمی تحریر فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ منورہ تشریف لائے اور ماہِ مبارک کی دولت سے نوازے گئے اعتکاف کو نہیں چھوڑا (صرف ایک مرتبہ عذرِ شدید کی وجہ سے نہیں فرما سکے تھے) نہایت ہی پابندی سے ادا فرماتے رہے، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے اعتکاف کو سنتِ مؤکدہ قرار دیا ہے۔

مگر افسوس! کہ جس عبادت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ، دوام اور پابندی سے ادا فرماتے رہے، جس سنت کو آپ کے بعد آپ کی بیویوں نے زندہ رکھا آج امت نے اسے چھوڑ دیا، نظروں سے گرادیا، بوڑھوں اور بیکار لوگوں کا کام سمجھ رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ ابن شہاب زہریؒ نہایت حیرت وتعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: جس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں چھوڑا لوگوں نے اسے نظر انداز کردیا ہے، اس سے بے پرواہی برت لی ہے۔ (شمائلِ کبریٰ: ۸/ ۱۶۸)

چند سال پہلے مسجد میں پلاسٹک کی دری تھی، جو بہت سی مرتبہ ٹیڑھی ہوجاتی تھی، حضرت ہم طلباء کو بلا کر ہم سے دریاں درست کرواتے تھے۔ مسجد کا بہت زیادہ ادب ملحوظ رکھتے تھے، کوئی طالبِ علم مسجد میں بھاگتا شرارت کرتا تو فوراً اسے بلا کر تنبیہ کرتے تھے، اگر کوئی طالبِ علم مسجد میں انگلیاں چٹخاتا تو حضرت خفگی کا اظہار فرماتے تھے، بہت سی مرتبہ تو اعلان کرواتے تھے کہ کوئی طالبِ علم مسجد میں انگلیاں نہ چٹخائے، یہ بہت برا فعل ہے۔

تلاوتِ قرآن

حضرت حافظِ قرآن نہیں تھے؛ لیکن قرآنِ کریم کی کثرتِ تلاوت کی وجہ سے حافظِ قرآن سے کچھ کم نہیں تھے، بخاری کا درس دیتے ہوئے بہت سی مرتبہ ہم طلباء سے فرماتے کہ: اس آیت سے پہلے والی آیت پڑھو، جب ہم حفاظ نہ بتا سکتے تو مزاحاً فرماتے: تم سب تو رمضانی حافظ ہو، پھر حضرت خود پڑھ کر بتاتے تھے۔

جب تک حضرت معذورِ شرعی نہ تھے بندے نے اپنے پڑھنے کے زمانے میں دیکھا کہ جمعہ کے دن بہت جلد مسجد میں تشریف لے آتے اور اذان تک قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔

نماز میں کوئی طالبِ علم جب قرأت میں غلطی کرتا تو حضرت خود بہت سی مرتبہ لقمہ بھی دیتے تھے۔

انبیاء کی سنن پر عمل

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں انبیائے کرام علیہم السلام کے عادات وطریق میں سے ہیں: (۱) حیا [شرم]، (۲) عطر وخوشبو کا استعمال، (۳) مسواک، (۴) نکاح۔ (ترمذی)

حضرت کو چاروں کا اہتمام کرتے دیکھا گیا، چناں چہ جب بخاری شریف کا درس دیتے یا مسجد میں تشریف لے جاتے تو خوشبو استعمال کرتے تھے، اسی طرح دانتوں کا آپریشن کے باوجود مسواک اکثر استعمال کرتے تھے۔

شرم وحیا کا تو کیا کہنا! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت کو جب سخت بیماری کی حالت میں ہسپتال میں داخل کیا گیا، میرے اساتذہ ورفقاء آپ کی تیمارداری کے خاطر باری باری خدمت میں لگے رہے، اور حضرت کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کی کوشش کی۔

ایک رات ناچیز اور رفیقِ محترم مفتی طفیل صاحب دامت برکاتہم کو بھی موقع ملا۔ (حضرت کی بیماری کے سبب قدرتی مثانہ نکال کر جعلی مثانہ بہ شکلِ تھیلی ظاہری حصہ میں لگا دیا گیا تھا؛ اس لیے وقتاً فوقتاً حضرت اسے تبدیل کرالیا کرتے تھے) رات میں حضرت نے اسے بدلنے کا ارادہ کیا؛ لیکن حیا کی وجہ سے تھوڑی دیر تک کچھ نہ بولے، تھوڑی دیر کے بعد فرمایا: بھائی! آپ لوگ آرام کرلو، ہم سمجھ گئے کہ حضرت تھیلی بدلنا چاہتے ہیں، بندے نے عرض کیا کہ: حضرت! ہم کمرہ سے باہر چلے جاتے ہیں، آپ ان طلبا سے بدلوا لیجیے، تب کہا: ٹھیک ہے۔

حضرت کی آخری بیماری میں وقتاً فوقتاً غشی طاری ہوجاتی تھی، جس کی وجہ سے کھڑے کھڑے گر جاتے تھے، ہسپتال میں تقریباً رات تین بجے استنجا کا تقاضہ ہوا، ہم نے حضرت کو پکڑا کہ اچانک غشی طاری ہوگئی، ہوش آنے کے بعد ہم بیت الخلا میں لے گئے، ہم نے کہا: حضرت آپ فارغ ہوجایئے، حضرت نے کچھ نہیں کہا، ہم سمجھ گئے کہ حضرت کو حیا آرہی ہے، ہم نے کہا: حضرت! ہم باہر چلے جاتے ہیں آپ فارغ ہوجاؤ، تب حضرت فارغ ہوئے، اسی حالت میں بیماری کے سبب حضرت کے پورے کپڑے خون سے آلودہ ہوگئے، حضرت نے دروازہ بند کرکے خود کپڑا دھونا شروع کردیا، صرف اس وجہ سے خون آلودہ کپڑے پر کسی کی نظر نہ پڑے، ہم نے عاجزی سے

بیمار کی عیادت

بیمار کی عیادت کرنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، حدیث شریف میں اس کے بہت سے فضائل آتے ہیں۔

حضرت ثوبانؓ راوی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان جب اپنے کسی (بیمار) مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو (گویا) وہ بہشت کی میوہ خوری میں (مصروف) رہتا ہے۔

جب بھی گاؤں میں کوئی بیمار ہوجاتا تھا، آپ عصر کے بعد اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے، بہت سی مرتبہ اپنے سے چھوٹے کی عیادت کرنے کے لیے بھی اس کے گھر جاتے تھے، راقم کا چھوٹا بھائی جب درجۂ حفظ میں تھا اچانک سر میں چوٹ آگئی، حضرت خود ہمارے گھر عیادت کے لیے تشریف لائے (۵)۔

سلام کا رواج دینا

دنیا کی ہر مہذب قوم میں اس کا رواج ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو کوئی کلمہ آپس کی موانست اور اظہارِ محبت کے لیے کہیں؛ لیکن موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی سلام جتنا جامع ہے کوئی دوسرا ایسا جامع نہیں؛ کیوں کہ اس میں صرف اظہارِ محبت ہی نہیں؛ بلکہ ساتھ ساتھ ادائے حقِ محبت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ آپ کو تمام آفات وآلام سے سلامت رکھیں، پھر دعا بھی عرب کے طرز پر صرف زندہ رہنے کی نہیں؛ بلکہ حیاتِ طیبہ کی دعا ہے یعنی تمام آفات وآلام سے محفوظ رہنے کی، اس کے ساتھ اس کا بھی اظہار ہے کہ ہم تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، ایک دوسرے کو کوئی نفع بغیر اس کے اذن کے نہیں پہنچ سکتا، اس معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ ایک عبادت بھی ہے اور اپنے مسلمان بھائی کو خدا تعالیٰ کی یاد دلانے کا ذریعہ بھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تحیہ ایک عالم گیر جامعیت رکھتا ہے (۱) اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر ہے، (۲) تذکیر بھی (۳) اپنے مسلمان بھائی سے اظہارِ تعلق ومحبت بھی، (۴) اس کے لیے بہترین دعا بھی، (۵) اور اس سے یہ معاہدہ بھی کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ (معارف القرآن، پارہ: ۵/ ۱۵۳)

سلام: سلامتی اور عافیت کی دعا ہے، اسے عام اور رائج کرنے کی تاکید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔

حضرتؒ کی یہ عادتِ شریفہ تھی کہ جب بھی راستہ میں کوئی ملتا تھا سلام میں پہل کرتے تھے (۶)۔

---

(۵) حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (زینب) کا کوئی بچہ سخت بیمار ہوا، والدہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی) نے آپ کو اطلاع دی کہ میرا بچہ موت کی حالت میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاصد سے پیغام بھجوادیا کہ یہ کہہ دے سب اللہ پاک کے اختیار میں ہے، جو چاہے لے لے، جو چاہے بخش دے، ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے، صبر کرے، اور ثواب کی امید رکھے، پھر آپ سعد بن عبادہ وغیرہ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لے گئے۔ (ادب مفرد مختصر: ۱۵۶)

خیال رہے کہ جس طرح کسی بڑے آدمی کی عیادت مسنون ہے، اسی طرح چھوٹے بچے بیمار ہوں تو ان کی عیادت بھی مسنون ہے چناں چہ ''ادب مفرد'' میں امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے، ''عیادۃ الصبیان'' اور اس کے ذیل میں یہ حدیث بیان کی ہے، جس کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ بچوں کی بھی عیادت کرے امام بخاری نے صحیح بخاری میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ (ج: ۱/ ۱۷۱، شمائل کبریٰ: ۴/ ۲۷۷)

(۶) سنت اور باعثِ فضیلت یہ ہے کہ آدمی سلام میں پہل کرے، دوسرے کے انتظار میں نہ رہے کہ وہ پہلے سلام کرے، کیوں کہ اس میں کبر کا شبہ ہے، سلام میں پہل کرنے والے کو زیادہ ثواب ہے۔ (شمائل کبریٰ: ۴/ ۳۵۳)

اور پورا سلام کرتے تھے، سلام کرنے والے کو پورا جواب دیتے تھے، چھوٹے طلباء سے بھی ملتے تھے تو خود سلام کرتے تھے (۷)۔
اسی طرح جب درس گاہ میں تشریف لاتے بندے کو یہ یاد نہیں ہے کہ حضرت الاستاذ بغیر سلام کے داخل ہوئے ہو، بہت سی مرتبہ اپنے سے چھوٹے سے خود آکر مصافحہ کرتے تھے اور فرماتے تھے ہمارے لیے دعا کرنا، کوئی اجنبی آدمی اگر حضرتؒ کو دیکھ لیتا تو وہ دیکھ کر اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ کسی مدرسہ کے شیخ الحدیث ہے؛ گویا حضرت نے ایسا سادہ طرزِ زندگی اختیار کر رکھا تھا کہ جس سے اپنی کوئی شان نمایاں نہ ہو۔

کچھ ایسے بھی اس بزم سے اٹھ جائیں گے جن کو	تم ڈھونڈنے نکلوگے مگر پا نہ سکوگے

(یادگار باتیں)

کم عمروں سے مشورہ کرنا

حضرتؒ بہت سی مرتبہ میرے اساتذہ ورفقاء سے جو حضرت سے عمر میں کافی چھوٹے ہیں اپنے ضروری کام کے سلسلے میں مشورہ لیتے تھے، چناں چہ ایک مرتبہ بندہ اپنے رفیقِ محترم مفتی طفیل صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ نمازِ عصر کے بعد باہر نکلا، حضرت نے فرمایا: دونوں مولوی صاحب ادھر آؤ، پھر حضرت نے ہم سے اپنے پوتے کے سلسلہ میں مشورہ کیا۔ اور ہم سے رائے معلوم کی، یہی حضرت عمر فاروقؓ کا طریقہ تھا، چناں چہ ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں کہ: حضرت عمر فاروقؓ کو کسی معاملہ میں ضرورت پڑتی تو جوانوں کو بلا کر مشورہ کرتے اور ان کی تیزیٔ عقل سے فائدہ اٹھاتے۔ (کنز العمال: ۷۸۹، جامع بیان العلم)
معلوم نہیں کون کس ذہن کا حامل ہے، اور کس پر معاملات کا نفع ونقصان واضح اور روشن ہے، اس لیے اپنے سے کم عمروں سے بھی مشورہ کرے، اس میں تواضع اور مسکنت بھی ہے، جوانوں کی عقل وذہانت سے خیر ونفع کا پہلو بھی واضح ہوجائے گا۔
ان کی اعانت بھی شامل رہے گی، ابن عبدالبر مالکیؒ نے ''جامع بیان العلم'' میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں جوان عمر رسیدہ قراء کا اجتماع رہتا تھا اور وہ ان حضرات سے بسا اوقات مشورہ فرماتے۔ (شمائلِ کبریٰ: ۳/۳۷۹)

چھوٹے بچوں سے محبت والفت

اساتذہ کے چھوٹے بچے جب مدرسہ میں آتے تھے حضرت اسے گود میں لے لیتے تھے، اس سے مذاق کرتے تھے، محبت کے ساتھ اسے ہدیہ بھی دیتے تھے، خصوصاً راجستھان کے مشہور پیرو (جمروکھ) کھلا کر یا دے کر اس کو رخصت کرتے تھے، چھوٹے بچوں کو پھول، چمبیلی وغیرہ کہہ کر پکارتے تھے۔
خیال رہے کہ اپنے بچوں سے یا دوسروں کے بچوں سے پیار کرنا محبتانہ برتاؤ کرنا مسنون اور حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی عادتِ طیبہ میں سے ہے، بچوں سے پیار ومحبت کرنا شفقت اور محبت کی پہچان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن وحسینؓ کا بوسہ لیتے، پیار کرتے، بعض لوگ ایسے سخت مزاج ہوتے ہیں کہ اپنے بچوں سے بھی پیار ومحبت نہیں کرتے، یہ تواضع وشفیقانہ مزاج کے خلاف ہے۔
(شمائلِ کبریٰ: ۴/۳۶۱)

---

(۷) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لڑکوں کے پاس سے گذرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا۔ (بخاری ومسلم)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عملِ مبارک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو سلام کیا، درحقیقت وصفِ تواضع وانکساری اور دنیا والوں کے تئیں کمالِ شفقت ومحبت کا مظہر ہے۔
(مظاہر حق جدید: ۴/۳۴۷)

حسبِ مراتب معاملہ

حضرت چاروں طرف سے بیماری میں گھرے ہوئے تھے؛ لیکن کبھی زبان پر شکوہ، شکایت نہیں۔ رحیم وکریم ذات نے جس حالت میں رکھا اس پر ہمیشہ راضی رہتے تھے۔ اور باوجود بیماریوں کے بھی اکثر کسی سے خدمت نہ لیتے تھے، اگر کبھی خدمت کی اشد ضرورت بھی ہوتی تو اساتذہ اور حدیث پڑھنے والے طلباء سے بہت کم خدمت لیتے تھے۔

نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: انسان کی نیک بختی میں سے اس کا خوش رہنا ہے اس بات پر جو اللہ نے اس کے لیے مقدر کی ہے۔ اور انسان کی بدبختی میں سے اس کا اللہ سے خیر طلبی کو چھوڑنا ہے، اور انسان کی بدبختی میں سے اس کا ناراض ہونا ہے اس بات سے جو اللہ تعالی نے اس کے لیے مقدر کی ہے۔ (ترمذی)

بندۂ ناچیز (جو حضرت کا غلام، خادم، شاگرد ہے اور مدرسہ کا ایک ادنیٰ مدرّس ہے) جب ہسپتال میں حضرت کے ساتھ تھا، دیر رات گذرنے کے بعد حضرت فرمانے لگے: بھائی نیند نہیں آرہی ہے، دعا کرو کہ نیند آجائے، راقم نے عرض کیا: حضرت سر میں تیل کی مالش کردیتا ہوں، ان شاء اللہ نیند آجائے گی، تو حضرت نے فرمایا: ابھی ضرورت نہیں ہے، تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کروٹیں بدلتے رہے۔ دو بارہ راقم نے عرض کیا کہ: حضرت تیل کی مالش سے ان شاء اللہ نیند آجائے گی، تب کہا: ٹھیک ہے؛ لیکن معاف فرمایا کہ: آپ مالش نہیں کریں گے؛ بلکہ ایک طالبِ علم کو اشارہ سے فرمایا کہ: آپ مالش کرو؛ لیکن بندے نے کسی بھی طرح طالبِ علم کے ساتھ شریک ہوکر مالش کردی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک شعر یاد آگیا جو بہ کثرت حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ پڑھا کرتے تھے:

تمام عمر اس احتیاط میں گذری	۞	آشیاں کی شاخِ چمن پر بار نہ ہو

(اصلاحی خطبات: ۱۰/ ۵۱۷)

اگر اساتذہ میں سے کوئی غیر حاضر ہوتا تو صرف اتنا فرماتے تھے کہ: کیا بات ہے مولوی صاحب نظر نہیں آتے؟ بیمار ہے یا کہیں گئے ہیں؟

نبی علیہ السلام کا عتاب کا طریقہ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ اگر کسی پر عتاب فرماتے تو (اسے برا بھلا یا گالی یا سخت کلمہ نہ کہتے بلکہ) یہ فرماتے: "ماله تربت يمينه" اسے کیا ہوگیا اس کے ہاتھ خاک آلود ہو، ایسا کلمہ فرماتے جو ماحول میں رائج ہوتا اور اس سے لوگ تکلیف محسوس نہ کرتے۔ (اخلاق النبي: ۵۱، شمائل: ۴/ ۳۴۱)

طلباء کی فکر اور راقم کی زمانۂ تدریس میں رہنمائی

حضرت کا وجود ایک ایسا سایہ دار درخت تھا جس کے نتیجے میں نسلیں پروان چڑھیں، ایسا چشمۂ صافی تھا جس سے تشنگانِ علمِ حدیث سیراب ہوئے، ایسا آفتاب تھا جس سے ایک عالَم کا عالَم منوّر رہا چناں چہ وقتاً فوقتاً محبت وشفقت کے ساتھ ہر شعبہ میں رہنمائی فرماتے ہی رہتے تھے، خود بھی سنتوں پر عامل تھے اور ہمیں بھی سنتوں پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

چناں چہ بندے کے ذمہ طلبہ کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری تھی کھانے کی نگرانی ہے (حضرت اکثر طلباء کے کھانے سے فارغ ہونے تک مطبخ میں بیٹھے رہتے تھے، صفائی وغیرہ کرواکے ہی جاتے تھے) ایک مرتبہ مجھے بلایا اور فرمایا کہ: مولوی صاحب! طلباء کو نگرانی کرتے

ہوئے یہ بھی بتایا کرو کہ سیدھے ہاتھ سے روٹی لو اور سیدھے ہاتھ سے دو، اور حضرتؒ خود بھی اس پر توجہ دیتے تھے۔

فائدہ: ادب یہ ہے کہ پاخانہ پیشاب کے علاوہ ہر چیز کو لینا دینا دائیں ہاتھ سے کرنا مسنون ہے، خود بھی عادت بنائے اور بچوں کو بھی اسکی تاکید کرے؛ تاکہ مسنون طریقہ رائج ہو، عام طور پر لوگ اس کا خیال نہیں کرتے، اگر کوئی بچہ وغیرہ بائیں ہاتھ سے دے تو اسے نہ لے اور تعلیماً کہے کہ دائیں ہاتھ سے دیجئے، اس طرح احساس بھی ہوگا، عادت بھی ہو جائے گی، اور سنت کے رائج کرنے کا ثواب ہوگا، اگر کوئی بڑا آدمی ہو تو اکراماً ایسا نہ کرے؛ البتہ مسنون طریقہ بیان کردے۔ (شمائلِ کبریٰ: ۴/۳۳۹)

زمانۂ تدریس کے بالکل اوائل میں جب بندہ درجۂ حفظ پڑھاتا تھا تو ایک مرتبہ سنیچر کے دن صبح کو تعلیم کی گھنٹی بجنے سے پہلے بلاکر فرمایا کہ: آپ کے پاس ایم-پی کا جو طالبِ علم ہے اس پر تھوڑی سی توجہ تنبیہ کے ساتھ دو، وہ تھوڑا سا ضد پر اتر آیا ہے۔

ایک مرتبہ مطبخ میں بلاکر فرمایا کہ: سب طلباء کھانے کے لیے دری پر بیٹھے ہیں، ان چار طلباء کے لیے بھی انتظام کرو، ان کو کیوں نیچے بٹھادیا ہے، انہوں نے کیا جرم کیا ہے؟

ایک شعر یاد آگیا:

اس نفع و ضرر کی دنیا میں	ہم نے لیا ہے درِ جنوں
اپنا تو زیاں منظور سہی	اوروں کا زیاں منظور نہیں

تواضع وسادگی

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک سادگی پسند بندہ کو محبوب رکھتا ہے جسے یہ بھی پرواہ نہیں کہ اس نے کیا پہنا ہے۔ (بیہقی، کنز العمال: ۳/۸۷)

حضرت مولانا مفتی ارشاد صاحب قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

فائدہ: خدا کو سادگی اور سادہ بندہ بہت پسند ہے، حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اور اسلافِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے ہی ہوتے ہیں اور رہے ہیں۔ سادگی کا مطلب ظاہر ہے، خوش عیش، خوش پوشاک نہ ہونا، نہ تو خوشنما عمدہ کپڑے کا اہتمام ہو نہ عمدہ قیمتی کھانوں کا ذہن ہو، نہ خوشنما شاندار بہترین مکان ہو، نہ موٹر کار سواری کا التزام وخواہش طلب ہو۔ نہ زندگی کے رہن سہن میں مال کی فراوانی کا اثر ہو یعنی متوسط یا غریب طبقہ کا مؤمن ہو، کھانا بھی موٹا، کپڑا بھی موٹا، رہنا سہنا بھی۔ شادی بیاہ بھی غرض کہ زندگی کے تمام پہلو میں سادگی، اگرچہ آج کے اس دور میں ایسا آدمی عزت ووقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا ہے؛ مگر اپنے مالک ومولیٰ کی نگاہ میں تو محبوب وپسندیدہ ہے۔ آخرت میں تو بازی لے جانے والا ہے۔ بندۂ خدا کے لیے یہی کافی ہے، دنیا کی عزت ووقعت کا کیا اعتبار، دنیا تو خوب لحیم شحیم موٹے جسم اور خوشنما پوشاک والے کو عالم اور بزرگ سمجھتی ہے، ایسوں کا کیا اعتبار؟ (شمائلِ کبریٰ: ۳/۲۸۳)

حضرتؒ مذکورہ تحریر کے بالکل صحیح مصداق تھے، کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس وپوشاک، ہر چیز میں سادگی کا اہتمام فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے کپڑوں میں حتی کہ بنیان پر بھی بہت سی مرتبہ پیوند لگے رہتے تھے اور حضرت اسے خوشی خوشی پسند فرماتے تھے۔

اس پر ایک واقعہ یاد آگیا جو رفیقِ محترم حافظ ساجد صاحب نے سنایا، ایک مرتبہ حضرت نے کپڑے دھلانے کے لیے بھیجے، دھوبی نے کپڑے کو ایسا کوٹا کہ کپڑا پھٹ گیا، حضرت نے مجھے بلاکر فرمایا کہ: اسے سلادو، میں نے کہا: حضرت! یہ سلانے کے قابل نہیں ہے،

بہت ہی زیادہ پھٹ چکا ہے، تو حضرت نے فرمایا: بھائی ایسا ہی چلالو[۸]۔

کئی مرتبہ جب حضرت سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو منتظمینِ مدرسہ کی جانب سے اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کی سواری کی سہولت مہیا ہونے کے باوجود سادہ سواری کو پسند فرماتے تھے، اسی طرح سرکاری بس میں سفر کرنے میں کسی طرح کی کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے[۹]۔

ایک مرتبہ حضرت کے ہاتھ میں چوٹ آنے کی وجہ سے ہڈی ٹوٹ گئی تو بندے کو بلا کر فرمایا کہ: اون جانا ہے، مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ کیسے جانا ہے؟ جب جانے کا وقت قریب آیا تو احقر نے عرض کیا کہ: حضرت رکشہ بلوا لیتے ہیں، تو فرمایا کہ: نہیں بھائی! بس سے ہی چلے جائیں گے۔

ایک مرتبہ لاجپور ہارڈ ویئر کے پاس جانا تھا، مجھ سے بلا کر وقت معلوم کیا، میں نے عرض کیا کہ: حضرت! ہارڈ ویئر صاحب کو میں مدرسہ بلا لیتا ہوں، حضرت نے بڑا پیارا جواب دیا:

بھائی! پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے، کنواں پیاسے کے پاس نہیں آتا ہے[۱۰]۔

کئی مرتبہ میں نے دیکھا کہ مدرسہ کے نگران حضرات جو کہ عالم بھی نہیں ہوتے تھے جب حضرت کے پاس آتے تھے تو حضرت انہیں تخت پر بٹھاتے تھے اور خود نیچے بیٹھے رہتے تھے[۱۱]۔

پڑھنے کے زمانے سے لے کر اب تک میں نے ایک عجیب چیز حضرت میں دیکھی، جب کسی عالم کے انتقال کی خبر موصول ہوتی یا کسی کی بیماری کی اطلاع ہوتی تھی تو آنکھیں اشکبار ہو جاتی، مسجد میں تشریف لے جاتے، درجۂ حفظ کے طلباء کو جمع کر کے اعلان کرتے، پھر طلباء میں سے کسی سے فرماتے تھے کہ آپ دعا کروائے، اللہ اکبر! موجودہ زمانہ میں ہر کسی کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ عہدہ مجھے ملے، کرسی مجھے ملے، دعا میں کراؤں، لیکن حضرت کا استاذ الاساتذہ اور شیخ الحدیث ہونے کے باوجود طلبا سے دعا کروانے اور طلباء کی دعا پر آمین کہنے میں جہاں ایک طرف طلبا کی حوصلہ افزائی پیشِ نظر ہوتی تھی اس سے کہیں زیادہ حضرت کی تواضع کا دخل ہوتا تھا۔

---

(۸) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو امیر المؤمنین ہونے کی حالت میں دیکھا کہ ان کے کپڑے پر یکے بعد دیگرے تین پیوند لگے ہوئے تھے، ایک موقع پر حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ ہونے کی حالت میں خطبہ دے رہے تھے اور ان کے کپڑے پر پیوند لگے تھے۔ (مرقات: ۴/ ۴۳)

سوچنے کی بات ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسا جلیل القدر خلیفہ تو پیوند کو محبوب سمجھے اور خلافت کی حالت میں بھی معیوب نہ سمجھے اور ہم اس کے متبعین اسے بری وذلت کی نگاہ سے دیکھیں، اللہ کی پناہ۔ (شمائلِ کبریٰ: ۱/ ۲۹۹)

(۹) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ: آپ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، نہ خچر پر سوار تھے نہ ترکی گھوڑے پر؛ بلکہ پیدل تشریف لاتے۔

راوی کا مقصد یہ ہے کہ آپ حسبِ ضرورت پیدل چلتے تھے، بڑے لوگ اسے پسند نہیں کرتے اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ آپ اس سے محفوظ تھے، چناں چہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ ۳۰-۴۰ قدم بھی پیدل چلنے میں ہتکی محسوس کرتے ہیں۔ اسکوٹر، موٹر سائیکل، سے ہی وہ جاتے ہیں، قریب میں بازار ہو یا اور کوئی کام ہو، تب بھی سواری سے جاتے ہیں، یہ تواضع کے خلاف ہے، ایسا طریقہ شان وقار جو سنت کے خلاف ہو محمود نہیں مذموم ہے، محمود طریقہ وہ ہے جو انبیاء کا ہو یہ تو متکبرین اور نوابوں کا ہے۔ (شمائلِ کبریٰ: ۴/ ۱۶۷)

(۱۰) حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ: ایک دن میرے پاس حضرت عمرؓ تشریف لائے، اجازت طلب کی، اجازت دی گئی، میری باندی میرے سر میں کنگھی کر رہی تھی، میں نے اپنا سر کھینچ لیا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اسے کنگھی کرنے دو، میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! مجھے بلا بھیجتے تو میں حاضر ہو جاتا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: کام مجھے تھا مجھے آنا چاہیے تھا۔ سبحان اللہ! ۔ (شمائل: ۳/ ۱۷۸)

(۱۱) حضرت انسؓ سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا: تو انہوں نے کہ کہ: آپ زمین پر (بلا فرش) بیٹھ جاتے تھے، زمین پر کھا لیتے تھے، صوف (موٹے اون کا کھردرا) کپڑا پہن لیتے تھے۔ (مجمع: ۹/ ۲۰، سبیل: ۳۶)

عموماً لوگ بلا کچھ بچھائے زمین پر بیٹھنا شان کے خلاف سمجھتے ہیں؛ بلا کرسی اور تخت کے زمین پر بیٹھنا ان کو بھاتا نہیں، سو آپ ﷺ تواضع ومسکنت کی وجہ سے ان امور کو اختیار فرما لیتے تھے۔ (شمائلِ کبریٰ: ۴/ ۱۶۳)

حضرت مدرسہ کے کمرہ میں تنہا رہتے تھے اس کے باوجود نہ کوئی متعین خادم نہ کوئی تکلف؛ بلکہ اپنا کام بہ ذاتِ خود کرلیا کرتے تھے (۱۲)۔

جس کو خادم رکھتے تھے اس پر بھی بڑی توجہ رکھتے تھے، جس خادم کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ حد سے زیادہ بے ادب ہوتا جا رہا ہے، یا اس سے خدمت لینے سے بجائے نفع کے نقصان کے خطرہ ہے، تو اس سے خدمت لینا ترک فرما دیتے تھے۔

حضرت حکیم الامتؒ کا ایک قیمتی ملفوظ:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: اپنے کسی خادم یا متعلق کو اپنا ایسا مقرب مت بناؤ کہ دوسرے لوگ اس سے دبنے لگیں یا وہ دبانے لگے اسی طرح اگر وہ لوگوں کی روایات وحکایات تم سے کہنے لگے تو منع کردو، ورنہ لوگ اس سے خائف ہو جائیں گے اور تم لوگوں سے بدگمان ہو جاؤ گے، اسی طرح اگر وہ کسی کا پیام یا سفارش تمہارے پاس لائے سختی سے منع کردو تا کہ لوگ اس کو واسطہ سمجھ کر اس کی خوشامد نہ کرنے لگیں، اس کو نذرانے نہ دینے لگیں، یا وہ لوگوں سے فرمائش نہ کرنے لگے، خلاصہ یہ ہے کہ تمام لوگوں کا تعلق براہِ راست اپنے سے رکھو، کسی کو واسطہ مت بناؤ، ہاں! اپنی خدمت کے لیے ایک شخص خاص کرلو مضائقہ نہیں؛ مگر اس کو لوگوں کے معاملات میں ذرہ برابر دخل نہ دو۔ اسی طرح مہمانوں کا قصہ کسی پر مت چھوڑو، خود سب کی دیکھ بھال کرو، گو اس میں تم کو تعب زیادہ ہوگا، مگر دوسروں کو تو راحت وسہولت رہے گی اور بڑے تو تعب کے لیے ہوا ہی کرتے ہیں، خوب کہا گیا ہے:

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی	کانگشت نمائے عالمے خواہی شد

(آداب المعاشرت:۲۶۹)

مجلس میں بہت زیادہ تکلف کرنا یا راستے میں پیچھے پیچھے چلنا حضرتؒ ناپسند فرماتے تھے، اور فرماتے تھے ساتھ ساتھ چلو۔

تربیت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا عجیب واقعہ:

ایک مرتبہ آپؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو دیکھا کہ: کچھ لوگ ان کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں (جس طرح آج کل بہت سے پیر صاحبان اپنے مریدوں کے ساتھ لیے ہوئے چلتے ہیں) حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ میں درہ تھا، آپؓ نے اس سے حضرت ابی بن کعبؓ کو مارا اور فرمایا کہ: یہ کیا طریقہ ہے؟ یہ چیز پیچھے چلنے والوں کے لیے باعثِ ذلت اور آگے چلنے والوں کے لیے فتنہ کا سبب ہوسکتی ہے "ھذا ذلۃ للتابع وفتنۃ للمتبوع"۔ (منہاج السنۃ:۲۵۶/۶)

حضرت عمر فاروقؓ جانتے تھے کہ حضرت ابی بن کعبؓ صحابیِ رسول ہیں، اور ان کا بہت اونچا مقام ومرتبہ بھی ہے؛ لیکن اس سب کے باوجود آپ نے انہیں سخت تنبیہ فرمائی کہ اس طرح کا انداز کسی کو بھی فتنہ میں مبتلا کرسکتے ہیں، اور اس کے دل میں اپنی ذات کی بڑائی کا تصور سما سکتا ہے، اور یہ بات اللہ جل شانہٗ کو پسند نہیں ہے۔ (ذکرِ فاروق:۳۳۔ بحوالہ فاروق اعظمؓ:۴۷۵)

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

---

(۱۲) حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر پر کیا کام کرتے ہیں، انہوں نے کہا: آپ عام آدمیوں میں سے ایک آدمی کی طرح رہتے تھے، اپنے کپڑوں میں جوں تلاش کرلیتے تھے، خود بکریوں کا دودھ نکال لیتے تھے، اپنا کام خود کرلیتے تھے۔

بعض لوگ گھریلو کام، مثلاً گھر کی صفائی کھانے پکانے سے متعلق کوئی امور، چارپائی وغیرہ کی درستگی، پانی بھرنا، بازار کرنا وغیرہ اچھا معلوم نہیں دیتا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی عادت نہ تھی۔ (شمائلِ کبریٰ:۱۶۶/۴)

بزرگوں کا ادب

حضرت کا شمار وقت کے اکابرین میں سے ہوتا تھا، اس کے باوجود جب بھی مدرسہ میں کسی کی آمد ہوتی تھی حضرت ان کی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور مجلس میں اچھی جگہ پر بٹھاتے تھے، اور سب سے پہلے کسی بھی طالبِ علم کے ذریعہ پانی پلانے کا اہتمام کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں مجلس کی کشادگی کی جائے گی مگر تین حضرات کے لیے: (۱) اہلِ علم کے لیے ان کے علم کی وجہ سے، (۲) بوڑھوں کے لیے ان کی پیری کی وجہ سے، (۳) حاکم سلطان کے لیے ان کے حاکم سلطان ہونے کی وجہ سے۔ (مکارمِ طبرانی: ۶۸، ۳، شمائل: ۳/ ۱۸۱)

مرشدی ومربی حضرت حافظ پٹیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سال میں دومرتبہ برطانیہ سے تشریف لاتے تھے، حضرت حافظ صاحبؒ روزانہ فجر کے بعد بیان فرماتے تھے (حضرت حافظ صاحبؒ کسی مدرسہ سے باقاعدہ فارغ التحصیل نہیں تھے) حضرت الاستاذ ادب کی وجہ سے کرسی ستون کی آڑ میں رکھ کر پورا بیان سنتے تھے۔

اہلِ مدرسہ ''الحمدللہ'' حضرت کے بڑے قدرداں تھے، حضرت کے لیے بہت سی سہولیات فراہم کررکھی تھی؛ لیکن حضرت اکثر یہی فرماتے تھے کہ: میں اس لائق نہیں ہوں۔

چناں چہ حضرت سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ: آپ حضرت حافظ صاحبؒ کے کمرے میں قیام کریں، تاکہ آپ کو چڑھنے اترنے کی تکلیف نہ ہو، تو حضرت نے فرمایا: میں تو معذور آدمی ہوں، میں اس لائق نہیں ہوں کہ حضرت حافظ صاحبؒ کے بستر پر آرام کروں۔

چیزوں کی قدردانی

حضرتؒ فضول خرچی، بیجا خرچ اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کے ضیاع کو بہت ناپسند فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ہم دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت نے فرمایا کہ: آج کل کی فیشن یہ ہے کہ آخر میں تھوڑی سی چیز بچالی جاتی ہے، مثلاً چائے پیتے وقت لوگ آخر میں بچالیتے ہیں، یہ بہت بری عادت ہے۔ پھر فرمایا کہ: حضرت حکیم الامتؒ فرماتے تھے کہ: جس چیز کے اجزاءِ کثیرہ سے تم فائدہ اٹھاتے ہو اس کے اجزاءِ قلیلہ کو ضائع کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔

حضرت روزانہ جب مغرب کے بعد مسجد سے باہر نکلتے تھے تو تمام زائد لائٹیں بند کرتے ہوئے نکلتے تھے۔

اگر درس گاہ میں صبح اجالا ہوجانے کے بعد بھی لائٹ بند نہ کی جاتی تو فرماتے: کیا بات ہے! آپ کی درس گاہ میں اب تک سورج طلوع نہیں ہوا ہے۔

رفیقِ محترم مفتی ضیاء اللہ صاحب -جو حضرت کے شاگرد اور مدرسہ دعوۃ الایمان کے فاضل ہیں- کے ایک مضمون میں دل کو ہلا دینے والا ایک واقعہ پڑھا:

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرتِ والاؒ ہمیں درس دینے کے لیے تشریف لا رہے تھے کہ اچانک آپ کی نظر باغیچہ میں پڑی جس میں سیب پڑا ہوا تھا، آپ نے ایک طالبِ علم کو بھیج کر وہ سیب منگوایا، حالاں کہ سیب کو بے ترتیب کھا کر پھینکا گیا تھا، حضرت نے اس کی صفائی کروائی اس کے بعد آپ نے فرمایا: کوئی کھانے والا ہو تو اس کو کھالے ورنہ میرے روم میں پہونچادے، میں خود اس کو استعمال کرلوں گا۔ یہ تھی نعمتِ خداوندی کی قدردانی۔ اگر آپ کسی چیز کو ضائع ہوتے ہوئے دیکھتے تو آپ تڑپ جاتے اور فطری طور پر آپ کو کڑھن ہوتی، آپ نے کئی بار بنفسِ نفیس مدرسہ کی چیزوں کی حفاظت کا نظم کیا، آپ مدرسہ کی ہر چیز کو امانت سمجھتے، خواہ وہ کتنی ہی معمولی چیز کیوں نہ ہو، جس کی طرف عام

طور پر لوگوں کا ذہن نہیں جاتا ہے۔ (پندرہ روزآن لائن رسالہ نوشۂ ربانی)

کتابوں کا مطالعہ، ادب، شوق وطلب

آج کل نئی نئی کتابیں، دن بہ دن منظرِ عام پر آرہی ہیں؛ لیکن مطالعہ کا شوق روز بہ روز کم ہوتا جارہا ہے۔

حضرت مطالعۂ کتب کے ذائق وشائق تھے، مطالعہ کی گہرائی اور استحضار کا یہ عالم تھا کہ بخاری شریف کی حدیث پڑھاتے ہوئے کئی مرتبہ دیگر کتبِ حدیث کھول کر بتاتے تھے کہ یہ حدیث مسلم، ترمذی وغیرہ میں اس طرح ہے، اور بخاری میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ اس طرح بیان کی ہے۔ کتابوں کا ادب بھی بہت کرتے تھے، طالبِ علم سے بار بار فرماتے تھے کہ: کتابیں سیدھے ہاتھ میں پکڑا کرو۔ کتابیں منبر کے اس زینہ پر رکھنے سے منع فرماتے تھے جس پر عام طور پر خطیب اپنا پیر رکھتا ہے۔

حضرت کے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ یاد آ گیا: حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب ملتانی (مدیر ماہنامہ ''محاسنِ اسلام'' ملتان) تحریر فرماتے ہیں:

احقر نے مسجد کی دری پر وہ کاپی رکھ دی جس میں دینی علوم قلم بند کر رہا تھا، ارشاد فرمایا کہ: ایسا نہ چاہیے، جہاں انسان پاؤں رکھتا ہو یا سرین رکھتا ہو، وہاں دینی کتب بدونِ رومال وغیرہ حائل کے نہیں رکھنا چاہیے، بعض لوگ مسجد کے منبر پر قرآنِ پاک یا کوئی دینی کتب رکھ دیتے ہیں حالاں کہ وہاں انسان پاؤں رکھتا ہے یہ بے ادبی ہے، کوئی رومال رکھ کر پھر رکھے۔ (یادگار باتیں: ۳۳۵)

زمانۂ تدریس میں ناچیز اکثر علماء لاجپور بالخصوص حضرت مولانا مرغوب صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کی کتابیں، خسرِ محترم حضرت مفتی رشید احمد صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کی جانب سے ہدیۃً دیتا رہتا تھا۔ جب بندہ کتابیں لے کر جاتا تھا تو فرماتے: ایسا ہدیہ لے کر آیا کرو، ماشاء اللہ!

آخری مرتبہ جب کئی دن ہو گئے اور کتابیں نہ دے سکا تو فرمایا: مولوی صاحب کیا بات ہے، کوئی ہدیہ نہیں آتا؟ بندے نے کہا: حضرت! تین کتابیں (تحفۂ بیت المقدس، کثرت وقلت، حق وباطل کی علامت نہیں، ذکرِ فاروق) مولانا مرغوب صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کی لایا ہوں، جب بندے نے کتابیں دی تو فرمایا: جزاک اللہ، مولوی صاحب سے کہو: روزانہ لایا کرو۔

کئی مرتبہ بندہ نے جب برادرِ معظم مولانا عبد اللہ صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کی کتابیں دی (جو حضرت کے شاگرد ہیں اور مدرسہ دعوۃ الایمان کے فاضل بھی ہیں) تو حضرت نے انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے تواضعاً فرمایا:

گُرو	تو	گُڑ	رہے
اور	چیلے	شکر	ہو گئے

حوصلہ افزائی اور انعام

مدرسین ومعلمین کو چاہیے کہ طلباء کی حوصلہ افزائی بھی کیا کریں؛ لیکن آج کل حوصلہ افزائی بالکل مفقود ہو چکی ہے، حالاں کہ ہر زمانے کے اکابر، اصاغر کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے، حوصلہ افزائی کا ایک طریقہ یہ ہے کہ طالبِ علم کی کبھی تعریف بھی کیا کرے۔

حضرتؒ بھی اپنے اسلاف کے طرز پر حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔

چناں چہ ایک مرتبہ بندے نے ایک بزرگ کے انتقال پر تعزیتی خط لکھ کر حضرت کو بتایا، حضرت نے خوشی کا اظہار فرمایا، تعزیتی خط میں چند چیزیں ادب کے خلاف تھی، حضرت نے میرے استاذِ محترم حضرت مولانا الیاس صاحب دامت برکاتہم سے میری عدمِ موجودگی میں

بلا کر فرمایا کہ: خط پر آپ نظرِ ثانی فرمالیں، اس میں کچھ باتیں غیر مناسب ہے، اللہ اکبر! میں تو حضرت کا شاگرد تھا، حضرت چاہتے تو فوراً مٹا دیتے؛ لیکن حضرت نے صرف اس وجہ سے کہ بندہ کہیں احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوجائے فی الحال کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ یا للعجب

مولانا حنیف عبدالمجید صاحب کی ایک تحریر پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حوصلہ افزائی وہ محرک ہے جو جذبوں کو ابھارتا، صلاحیتوں کو اجاگر کرتا اور کچھ کر گذرنے پر مجبور کرتا ہے، اگر اساتذہ بچوں کے ساتھ خلوص ومحبت اور خیر خواہی سے پیش آئیں اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو شاگردوں کی کارکردگی بہتر ہوسکتی ہے۔ (مثالی استاذ: ۲۱۵)

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ جماعت ہورہی ہے اور لوگ رکوع میں پہنچ گئے تو وہ ویسے ہی نیت باندھ کر رکوع میں شامل ہوگئے، پھر آہستہ آہستہ چل کر صف میں شامل ہوگئے جب نماز ختم ہوگئی تو آپ ﷺ سے ذکر فرمایا، تو آپ ﷺ نے پہلے تو ان کی حوصلہ افزائی فرمائی، اور فرمایا: ''زادك الله حرصًا'' اللہ تیرے شوق کو مزید بڑھائے، اور پھر فرمایا: ''لاتعد''۔ (مؤطا امام محمد: ۱۵۵) آئندہ ایسا نہ کرنا اس سے ایک اصول یہ معلوم ہوا کہ ہر استاذ کو چاہیے کہ طالبِ علم کی غلطی پر اس کے مجموعی عمل میں جو حوصلہ افزائی کا جائز پہلو ہو اور جو خوبی ہو اس خوبی کو ڈھونڈ کر پہلے اس شاگرد کی حوصلہ افزائی کی جائے جس سے طالبِ علم کا حوصلہ بلند ہوگا، اس کی نظر میں وسعت پیدا ہوگی، وہ استاذ کو اپنا ہمدرد وغم خوار، مشفق ومہربان سمجھے گا، پھر استاذ کی طرف سے جو بھی بات بطورِ نصیحت یا تنبیہ کے آئے گی وہ اس کے دل ودماغ میں راسخ ہوجائے گی، پھر خامیوں کی نشاندہی اس طرح کی جائے کہ غلطیوں کی اصلاح ہوجائے جو اصلاح حوصلہ افزائی کے بعد کی جاتی ہے وہ اصلاح سنت کے موافق ہونے کی وجہ سے بہت ہی زیادہ مؤثر ہوتی ہے، ایسی اصلاح کے ذریعہ استاذ اور شاگرد کے دل میں استاذ کی شفقت پر اعتماد کا تعلق پیدا ہوتا ہے ایسی اصلاح کے ذریعہ شاگرد استاذ کو مہذب سمجھتا ہے، معذِب نہیں، معلّم سمجھتا ہے مولم نہیں، مصلح ومہربان سمجھتا ہے ظالم نہیں۔ (مثالی استاذ: ۱۷۷)

حوصلہ افزائی کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ طلباء کو انعام بھی دیا کرے۔

حضرت دورانِ سبق طلباء سے سوالات کیا کرتے تھے، بہت سی مرتبہ سوال کرنے پر انعام سے بھی نوازا کرتے تھے؛ لیکن اصول یہ تھا کہ کوئی بھی جواب دے پیسے درسگاہ کے تمام ساتھیوں کے درمیان مشترک رہیں گے، چناں چہ ہم تمام ساتھیوں نے سال بھر میں ملنے والا یہ انعام جو پانچ یا دس روپیہ کی شکل میں ہوا کرتا تھا۔ تین سو روسے ساڑھے تین سو تک جمع لیے تھے۔

حضرت بعض مرتبہ مزاق بھی کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ دورۂ حدیث میں جب ہم حضرت کے پاس بخاری شریف پڑھ رہے تھے تو حضرت نے فرمایا کہ: آج پورے دن میں پچاس صفحہ پڑھو تو ۵۰ / روپے انعام دوں گا، چناں چہ ہم نے پڑھنا شروع کیا، صبح گھنٹوں میں، دوپہر میں، مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد بھی کافی دیر تک ہم پڑھتے رہے، جب ۴۷/ صفحہ ہوگئے تو حضرت کہنے لگے: بس! آگے آئندہ کل پڑھیں گے ان شاء اللہ، تو ایک ساتھی نے کہا: حضرت! پچاس روپے، تو حضرت نے کہا: پچاس صفحہ کہاں ہوئے؟ تو اس ساتھی نے کہا: حضرت! ہم آگے پڑھنے کے لیے تیار ہیں، تو حضرت نے فرمایا: یہ نہیں چھوڑے گا۔ پھر حضرت نے پچاس روپے دیے۔

نالائق بچوں کی ننانوے خرابیوں کو بھلا کر صرف ایک بھلائی پر حوصلہ افزائی کرنا اور انعام دینا بہت سی مرتبہ نالائق کو لائق بنادیتا ہے۔

درسِ ادیب اگر بود زمزمہ محبت
جمع مکتب فطیل گریزپائے برا

یعنی استاذ کی تعلیم اگر محبت سے بھری ہو تو وہ یقیناً بھگوڑے بچے کو بھی لاکر مدرسے میں اور طلباء کے ساتھ جوڑ سکتا ہے۔ (مثالی استاذ: ۱۷۱)

درس

(۱) حضرت کی تقریر بہت صاف اور اس کی رفتار بہت آہستہ ہوتی تھی، ایک ایک کلمہ اور ہر ہر کلمہ کا ایک ایک حرف نہایت متین آواز میں زبانِ مبارک سے نکلتا تھا۔

(۲) حضرت جب کسی مسئلہ میں حدیث کی توجیہ بیان فرماتے اور توجیہات متعدد ہوتیں تو ان کو شمار کر کے بیان فرمایا کرتے تھے؛ تاکہ طلباء کے لیے یاد رکھنا آسان رہے۔

(۳) حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی کبھی آپ کی زبانی نہیں سنا؛ بلکہ ہمیشہ درس ہو یا وعظ یا کوئی اور موقع ''میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' یہی آپ کی زبان سے صادر ہوتا تھا۔

(۴) حضراتِ صحابۂ کرام - رضی اللہ عنہم - اور ائمہ عظام - رحمہم اللہ تعالیٰ عنہم - کے ذکر کے وقت دعائیہ کلمات ضرور کہتے تھے، حتیٰ کہ موجودہ زمانہ کے علماء کا نام بھی بڑے ادب سے لیتے تھے، چاہے عمر میں چھوٹے ہو یا بڑے، کئی مرتبہ بعینہ اپنے سے چھوٹے کا قول نقل کرنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے تھے، خود شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود دیگر کتبِ حدیث کے اساتذہ کو بھی ''شیخ'' کہہ کر پکارتے تھے۔

(۵) متعدد بار تربیتی احادیث کی تلاوت کے وقت رقت طاری ہوجاتی تھی۔

(۶) حضرت کی ذات میں تواضع اور رعب دونوں چیزیں تھیں جس سے طالبِ علم اچھی طرح متوجہ رہتا تھا۔

(۷) طالبِ علم اگر حضراتِ علمائے دیوبند سے ناواقف ہوتا تو حضرت کے پاس زانوئے تلمذ طے کرنے کے بعد ضرور واقف ہوجاتا، دورانِ سبق بار بار سوال کر کے اور اس پر انعام دے کر بتاتے رہتے تھے کہ شیخ الاسلامؒ، قاسم العلوم والخیرات، شیخ الہندؒ وغیرہ سے کون مراد ہے۔

(۸) حضرت عام طور پر راوی سے زیادہ روایت پر کلام کرتے۔

(۹) سبق کی پابندی بہت زیادہ فرماتے تھے، سبق کی پابندی میں ایک عجیب چیز دیکھی جو بہت کم افراد میں پائی جاتی ہے، حضرت جب بھی سفر سے آتے، رات کو تین بجے آئے ہو یا چار بجے، صبح کو درس گاہ میں پہلے گھنٹے میں حاضر ہوجاتے تھے؛ بلکہ بہت سی مرتبہ سفر سے آتے، اپنا سامان گیٹ پر رکھا اور درسگاہ میں تشریف لے آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے۔

(۱۰) دورانِ سبق دین کے کسی بھی شعبے کی تنقیص بالکل نہیں کرتے تھے؛ بلکہ ہر شعبہ سے حضرت نے اپنے آپ کو وابستہ کر رکھا تھا، اور ہر ایک کو وابستہ رہنے کی تاکید کرتے تھے۔

باغیچہ سے محبت

حضرت کو باغیچہ اور درختوں سے بڑی محبت تھی (۱۳)۔

---

(۱۳) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہرے اور شاداب علاقے (چمن و باغیچہ) بہت پسند تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باغیچہ میں نماز پڑھنا بہت پسند تھا۔ (شمائلِ کبریٰ: ۴/ ۳۴۲، بحوالہ ابوداؤد)

یہی وجہ ہے کہ جب گرمی کا موسم ہوتا اور باغیچہ کو سیراب نہیں کیا جاتا تھا تو حضرت ہم طلباء سے فرماتے، بھائی ان پیاسوں کو کون پانی پلائے گا، پھر جب ہم میں سے کوئی تیار ہوجاتا تو حضرت خود کھڑے ہوکر بہت سی مرتبہ پانی پلانے کا طریقہ بتاتے تھے، اور وقتاً فوقتاً علیٰحدہ علیٰحدہ جگہ پانی کا پائپ رکھوا کر باغ کو سیراب کرتے تھے۔

مؤمن کے انتقال پر زمین وآسمان کا اشکبار ہونا

خدا کے بعض محبوب بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے انتقال پر انسان سے لے کر جانور حتیٰ کہ زمین وآسمان بھی آنسو بہاتے ہیں جیسا کہ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ: جب انسان مرجاتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ: جب مؤمن کا انتقال ہوتا ہے تو زمین کا وہ حصہ جس پر وہ نماز پڑھا کرتا تھا روتا ہے اور آسمان کا وہ حصہ جہاں سے اس کے اعمال آسمان پر جاتے تھے روتا ہے، پھر قرآن کی آیت: ﴿فما بكت عليهم السماء والأرض وما كانوا منظرين﴾ پڑھی۔ (شمائلِ کبریٰ:۵/۳۶۵)

اس آیت کی تفسیر میں صاحبِ جلالین تحریر فرماتے ہیں: بخلاف المؤمنين يبكي عليهم بموتهم مصلاهم من الأرض ومصعد عملهم من السماء.

مذکورہ تفسیر وحدیث کی روشنی میں راقم عرض کرتا ہے: آج جب بھی حضرت کا کمرہ، حضرت کی جائے نماز، حضرت کی وہ مسندِ درس جس پر جلوہ افروز ہوکر کئی سال تک ہم خدام کو نااہل ہونے کے باوجود فیضیاب فرماتے رہتے تھے نظر پڑتی ہے تو دل میں خیال آتا ہے کہ ضرور یہ رو رہے ہوں گے، اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں گے:

بھیڑ میں دنیا کی، جانے وہ کہاں گم ہوگئے
کچھ فرشتے بھی رہا کرتے تھے انسانوں کے ساتھ

(یادگار باتیں:۱)

دعائیہ کلمات

اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کو اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے، صلحاء وصدیقین کے ساتھ حشر فرمائے اور آپ کے بعد آنے والی آزمائشوں اور فتنوں سے ہمیں محفوظ رکھے۔

چند دعائیہ اشعار پر اپنی تحریر ختم کرتا ہوں:

اے غفور! اے کریم! اللہ رحیم	۞	
	۞	بخش دے رحم کر، بر عبد الرحیمؒ
تجھ سے کرتا ہے دعا عبد دل حزیں	۞	
	۞	یا الٰہی! بخش دے مرحوم کو خلد بریں
یا الٰہی ہم خدام کو دے صبرِ جمیل	۞	
	۞	مرنے والے کو سکون سرمدی اجرِ جزیل

قبر کو گھیرے رہیں لمعاتِ حق کی تابشیں		
		روز وشب ہوتی رہیں ابر وکرم کی ابرشیں
		(میرے والد بزرگوار قدرے تغیر کے ساتھ)
مرحوم تجھے قبر میں راحت نصیب ہو		
		اللہ مغفرت کرے جنت نصیب ہو
دیدار سے خدا کے مشرف ہو رات دن		
		سلطانِ دو جہاں کی شفاعت نصیب ہو

اللهم اغفره وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله وابدله دارا خيرا من داره وأهلا خي
من أهله ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، واجعل قبره روضة من رياض الجنة ولاتج
قبره حفرة من حفر النار، آمين.

اسماعیل بن محمد لاجپوری

(خادمِ مدرسہ دعوۃ الایمان، مانکپور نکولی، نوساری)